© rasailojaraid.com

اسی طرز کی ایک دوسری کتاب انسانِ نامعلوم (Man the Unknown)
ہے۔ اس کا مصنف (Alexis Carrel) ماہر حیوانیات ہے۔ یہ شخص پہلے مذہب کو بالکل ایک بیکار سی چیز تصور کرتا تھا مگر ایک مدت دراز کی تلاش و جستجو اور غور و فکر کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ دنیا کی نجات اگر کسی ذریعہ سے ممکن ہے تو وہ صرف مذہب کی سچی پیروی ہے۔

نقطۂ نظر کی اس عظیم تبدیلی کا اصلی سبب یہ ہے کہ فاضل مصنف نے ایک گہرے سوچ بچار کے بعد از خود اس بات کو محسوس کیا ہے کہ انسانی اعمال کے محرکات اور ان کی نوعیتیں اس قدر پیچیدہ اور الجھی ہوتی ہیں کہ علم کیمیا کی طرح انہیں سادہ اجزا میں تحلیل نہیں کیا جا سکتا۔ ان میں ربط و ترتیب اسی وقت قائم ہوتی ہے جبکہ ان کے احوال و اسباب کے سلسلے کا نفسیاتی جائزہ لیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس نفسیاتی جائزہ میں سائنس کی ہی بے لوثی کبھی نہیں آ سکتی یہی وجہ ہے انسان کی ناکامی کی۔ انسان بے جان اور بے ارادہ مادے کی تحقیق میں تو کامیاب ہو گیا ہے مگر اُسے اپنے آپ کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ چنانچہ وہ کہتا ہے۔

"اگرچہ ہم تمام ادوار کے سائنس دانوں، فلسفیوں، شاعروں اور عظیم المرتبت صوفیوں کے مشاہدات سے فراہم کردہ خزانوں کے مالک ہیں مگر ہم ابھی تک انسانی زندگی کے صرف چند گوشوں کو بے نقاب کر سکے ہیں۔ ہم انسان کو بحیثیتِ کل کے نہیں سمجھ سکے۔ بلکہ ہم اُسے چند باہم دگر ممتاز اجزا کا مجموعہ سمجھتے ہیں . . . . اپنے متعلق ہماری معلومات بہت ہی کم ہیں"۔

ایک دوسری جگہ وہ سائنس کی ناکامی کا تذکرہ کرتے لکھتا ہے:

"یہ بات صاف ظاہر ہے کہ ہمارا آلہ ہماری زندگی کی پہنائیوں کا پوری طرح احاطہ نہیں کر سکتا۔ اس کے پاس جو پیمانے ہیں اُن سے صرف انہی چیزوں کی پیمائش کر سکتا ہے جو حجم یا وزن رکھتی ہیں، یا زمان و مکان کی حدود میں مقید ہیں۔ سائنس کا دیا ہوا معیار نخوت، نفرت، محبت ایسے احساسات کو جانچنے کے ناقابل ہے"۔

ڈاکٹر موصوف کے ان بیانات کو ذہن میں رکھتے ہوئے دورِ جدید کے انسان کی اس جسارت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو ملاحظہ فرمایئے کہ اس نے اپنی زندگی کو اچھی طرح سمجھے بغیر محض حواس خمسہ کے سہارے اپنا سفر شروع کیا۔ اگر غور سے دیکھا جاتے تو یہی اس کی بربادی کا اصل سبب ہے۔ ان حالات میں جبکہ انسان کا فکر خود اپنی ذات کے بحر بیکراں میں ڈوب کر اس کی وسعتوں کا صحیح طور پر اندازہ نہیں لگا سکا یہ ناممکن ہے کہ وہ پوری نوع انسانی کے لیے کوئی ایسا لائحۂ عمل پیش کرے جس پر چل کر دنیا کے مختلف انسان خود اپنی زندگیوں کو ہم آہنگ بنا سکیں اور اس طرح پوری نوعِ انسانی اطمینان کا سانس لے اس کے لیے ضروری ہے کہ باہر سے کوئی علیم و خبیر ہستی انسان کی رہنمائی کرے اور یہ ہستی سوائے باری تعالیٰ کے اور کون ہو سکتی ہے۔

اس کے بعد مصنف نے دورِ جدید کے سب سے بڑے فتنے یعنی ماہرینِ خصوصی Specialists کے فتنہ کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ عہدِ حاضر کا انسان کس طرح علوم و فنون کے یک چشم ماہرین کے ہاتھوں میں کھلونا بن کے رہ گیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:-

"یہ بات اکثر دیکھنے میں آئی ہے کہ زندگی کے کسی ایک شعبہ کو دوسرے کے مقابلہ میں ناجائز اہمیت دی جاتی ہے۔ حالانکہ ہمارا فرض یہ ہے کہ حیاتِ انسانی کے مختلف پہلوؤں کا مثلاً حیاتیاتی، عضویاتی، نفسیاتی، علمی اور اخلاقی سب کا ایک ساتھ جائزہ لیں۔ آج ہر ماہرِ فن آنکھوں پر تعصبات کی پٹیاں باندھ کر زندگی کو دیکھتا ہے اور اس غلط فہمی کا شکار ہے کہ تنہا وہی پوری زندگی کو سمجھ سکتا ہے . . . . بدقسمتی سے "اجزاء" کے متعلق یہ خیال عام ہو گیا ہے کہ وہی درحقیقت کل ہیں، اور ان اجزا کا انتخاب بھی کسی گہرے سوچ بچار سے نہیں کیا جاتا بلکہ جو کچھ بھی ہمارے جی میں آتا ہے ہم منتخب کر لیتے ہیں"

اس فساد کا اگر کوئی صحیح علاج ہے تو یہ کہ ایک تو انسان کا بحیثیت مجموعی مطالعہ کیا جائے اور دوسرے بنی آدم کی توجہ خارجی دنیا سے ہٹا کر "من کی دنیا" کی طرف مبذول کرائی جائے۔
پچھلے دو صدیوں کے تجربات اس حقیقت کی زندہ شہادت ہیں کہ مشینی ایجادات نے دنیا کو کسی طریقہ سے بھی سکون نہیں بخشا۔ وہ بڑے زور سے کہتا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"درحقیقت یہ کوئی مفید صورت نہیں کہ ہم ایک ایسے طریقِ زندگی کو اختیار کرنے کے لیے محنت کریں جو اخلاقی زوال کا، اور بڑی بڑی نسلوں کے صالح ترین عناصر کے خاتمہ کا موجب بن رہا ہے۔ تیز رفتار بحری جہاز، آرام دہ گاڑیاں، سستے ریڈیو اور بعید تر سحابیوں کا مشاہدہ کرنے کے لیے طاقتور دُوربینیں بنانے کی بجائے ہمیں ان قوتوں کو خود اپنے متعلق غور و فکر میں صرف کرنا چاہیے۔"

"تن کی دنیا" میں انسان کے شدید انہماک کا سب سے بُرا اثر انسانی اخلاق پر پڑا ہے۔ علمی تحقیقات اور صنعتی انکشافات جن کی غرض نوعِ انسانی کی بہبودی تھی وہ اب اس کی تباہی کا باعث بن گئی ہیں۔ وہ اپنے علم سے حاصل کی ہوئی طاقت کو خود اپنے خلاف ہی استعمال کر رہا ہے۔ لوگوں کے اندر غلط اور صحیح، حق اور ناحق کے درمیان کوئی امتیاز باقی نہیں رہا۔

اِن حالات میں آج اگر انسانیت اپنی فلاح کی طالب ہے تو اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ ایک سچّے مذہب کی طرف رجوع کرے۔ مذہب انسان کے اندر ایک بالاتر ہستی کے وجود کا احساس پیدا کرتا ہے، وہ اُس کی نگاہوں کو آخرت کی زندگی پر مرتکز کر کے اس کی عقل، اُس کی قوت، اور اس کے اخلاق کے درمیان توازن و تناسب قائم رکھتا ہے۔ مذہب ہی ہے جو انسان کے ذاتی فوائد و مصالح کو اجتماعی فوائد و مصالح کے ساتھ مربوط و متناسب رکھتا ہے۔ اسی سے انسان کے اندر اپنی قوت و اختیارات پر بجائے فخر و استکبار پیدا ہونے کے عجز و نیاز اور بندگی کی شان پیدا ہوتی ہے۔

یہ ہے خلاصہ ڈاکٹر موصوف کے خیالات کا۔ اس کی یہ تصنیف اس قابل ہے کہ ہم اس کا گہری نظر سے مطالعہ کریں۔

© rasailojaraid.com